سُورَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ

عربی متن — با محاورۃ اُردو ترجمہ و تفسیر

اِفادات

الحافِظ علامہ نُورالدین

مدیر

عبدالمنان عُمر – امتہ الرحمٰن عُمر

سُورَۃُ الْمُطَفِّفِيْنَ - ﴿۸۳﴾ - مَكِّيَّةٌ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کا نام لے کر جو بے حد رحمت والا، بار بار رحم کرنے والا ہے

(میں سورۃ الْمُطَفِّفِيْنَ پڑھنا شروع کرتا ہوں)

خلاصہ مضمون: پچھلی سورۃ میں حقوق اللہ کی طرف توجہ دلائی تھی اس سورۃ میں حقوق العباد کی طرف متوجہ کیا ہے۔ تَطفِیف کا لفظ صرف ماپ تول کی کمی ہی کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ ہر قسم کے حقو ق کی کمی اور فرائض میں کوتاہی پر بھی استعمال ہوتا ہے (لسان)۔ ایک شخص نے نماز میں غفلت کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: طَفَّفتَ، یعنی تو نے حق کی ادائیگی میں کوتاہی کی۔ پچھلی سورۃ کے مضمون کو جاری رکھتے ہوئے نیکیوں اور بدی کے ریکارڈ کو محفوظ رکھنے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِينَ ﴿۱﴾

۱۔ حقوق میں کمی کرنے والوں کیلئے ہلاکت ہی ہلاکت ہے،

۱:۸۳۔ لِلْمُطَفِّفِينَ: تَطفِیف کا لفظ صرف ماپ تول کی کمی ہی کے لیے استعمال نہیں ہوتا بلکہ ہر قسم کے حقو ق کی کمی اور فرائض میں کوتاہی پر بھی استعمال ہوتا ہے (لسان)۔ **مطفف** لینے میں بھی چالاک اور دینے میں بھی چالاک، زیادہ لیتا ہے اور کم دیتا ہے۔ اور یہاں ہر قسم کی کمی کرنے والے مراد ہیں، حقوق اللہ میں ہوں یا حقوق العباد میں۔

وَيْلٌ: وَيْلٌ سے مراد ہے کہ اُن کا آخری انجام اچھا نہیں بلکہ ہلاکت ہے۔ اس طرح فرمایا کہ اپنے فرائض کو سرانجام نہ دینے والے اور دوسروں کے حقوق تلف کرنے والے لوگوں کے اعمال گویا ایک قید خانے میں رہ جاتے ہیں اور ارتقائی مدارج طے نہیں کرتے۔ اس کے مقابلے میں جو لوگ اپنے فرائض بھی سرانجام دیتے ہیں اور دوسروں کے حقوق کا خیال بھی رکھتے ہیں ان کے لیے ترقی کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔

الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ﴿٢﴾
وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴿٣﴾ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ﴿٤﴾
لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾
كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ﴿٧﴾

۲۔ جو لوگوں سے جب ماپ کر لیتے ہیں تو اپنے مطالبے کے مطابق پورا کر لیتے ہیں،

(اور معمولی سی کمی بھی برداشت نہیں)۔

۳۔ اور جب خود انہیں ماپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔

۴۔ کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ یہ (مرنے کے بعد دوبارہ)

زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے؛

۵۔ اس بہت بڑے دن (کا فیصلہ سننے) کیلئے۔

۶۔ جس دن تمام لوگ سب جہانوں کے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

۷۔ (جیسا کچھ یہ سمجھتے ہیں اس طرح) ہرگز نہیں۔

بدکاروں (کے اعمال) کا نوشتہ قید خانے (کے نامہء اعمال) میں ہے۔

۸۳:۲۔ اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ: یہاں اکتال کومِن کے ساتھ متعدی نہیں کیا بلکہ علیٰ کے ساتھ متعدی کیا ہے۔اس میں لطیف رعایت یہ مدنظر ہے کہ بعض اوقات ماپ تول برضا ورغبت جھکتی ڈنڈی سے لیا جاتا ہے اور دینے والا بھی جھکتا تول خوشی سے دیتا ہے۔ جھکتا تول لینا اس وقت ممنوع ہے جو ضرر کے لیے اور بلا رضامندی ہو۔اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى میں بتایا ہے کہ ترازو اپنے ہاتھ میں لے کر اور اپنے حق کا تحکمانہ طور پر خود یقین کر کے، اپنی مرضی سے تول کرتے ہیں اور حق کے نام سے دوسرے کا حق مارتے ہیں۔ علیٰ کے صلہ کی وجہ سے اپنی مرضی کے مطابق لے لینے پر زور ہے اور من کے صیغے سے پورا کر لینے پر زور ہوتا۔اس طرح محض صلہ کے بدلنے سے مفہوم بدل گیا۔ علی کا صلہ خلاف کے معنی دیتا ہے اس طرح لوگوں کو نقصان پہنچانے کا مفہوم یہاں موجود ہے۔یعنی لوگوں سے تول کر اس طرح لیتے ہیں جس سے انہیں نقصان پہنچتا ہے۔ حضرت شعیبؑ کے وقت میں یہ مرض خصوصیت سے تھا۔آج بھی یہ بات حد سے بڑھ گئی ہے بلکہ علمی میدان میں بھی یہ بُرائی پائی جاتی ہے۔ مباحثات میں فریقین مقابل پر وہ اعتراض کیے جاتے ہیں جو خود معترضین پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ جس پیمانے سے خَصم کو جواب دیتے ہیں اسی پیمانے سے جواب لینا پسند نہیں کرتے۔ حدیث میں ہے: مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ (صحیح بخاری، کتاب الایمان ، حدیث: ۱۳) کہ ایمان کامل کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ مباحثات کے وقت ہی دیکھ لیا کرو کہ کیا یہی اعتراض ہم پر تو نہیں پڑتا۔ بعض لوگ لینے میں بھی دھوکا کرتے ہیں اور دینے میں بھی۔اور یہاں ہر طرح کی کمی کرنے والے مراد ہیں، حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ﴿٨﴾ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ﴿٩﴾

۸۔اور کون سی چیز تمہیں آگاہ کردے سکتی تھی کہ وہ قید خانے (کا نامہءاعمال) کیا ہے۔

۹۔وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔

۸۳:۸۔ (مَآ اَدْرٰکَ)اور(مَا یُدْرِیْکَ): دونوں طرح کے الفاظ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ جن کے معنی ملتے جلتے ہیں۔ لیکن استعمال میں یہ فرق ہے کہ مَآ اَدْرٰکَ کا جواب یقینی اور قطعی انداز میں ہوتا ہے جبکہ مَا یُدْرِیْکَ کے بعد عموماً لَعَلَّ وغیرہ کا لفظ آتا ہے جو احتمال پیدا کرتا ہے اور تعین و تیقن پیدا نہیں کرتا۔

سِجِّیْنٍ: یہ لفظ غیر عربی زبان نہیں۔ یہ سِجن سے ہے جس کے معنی ہیں قید خانہ۔ یہ قید خانہ کہیں ہو۔ ابوعبیدہؒ، مبردؒ، فراءؒ، اخفشؒ اور زجاجؒ جیسے ماہرین لغت نے اسے عربی زبان کا لفظ قرار دے کر لَفِیْ سِجِّیْنٍ کے معنی کیے ہیں لَفِی حَبسٍ وَّ ضِیقٍ شَدِید۔ نیز دیکھو (یوسف، ۱۲:۳۳) ۔اللہ تعالیٰ نے یہاں جو پیشگوئی قبل ہجرت آنحضرت ﷺ کی بے کسی اور بے سروسامانی کی حالت میں کی تھی وہ صحابہ کرامؓ کی فتوحات اور کفار کے دار و گیر سے پوری ہوگئی اور اس دنیوی سجن نے آخرت کے عذاب کو بھی ثابت کردیا یعنی اخروی سِجِّیْنٍ کے ثبوت میں اہل مکہ کو پیشگوئی کے رنگ میں بتایا کہ ایک وقت آتا ہے کہ تمہیں قیدیوں کی طرح آنا پڑے گا۔ بدر، فتح مکہ اور بعد کی فتوحات سے یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ سِجِّیْنٍ سے مراد قیدیوں کا رجسٹر اور عِلِّیِّیْنَ سے مراد ابرار کا رجسٹر۔ یہ معنی بھی عمدہ ہیں۔سِجِّیْنٍ کا لفظ مفرد استعمال ہوا ہے اور آگے چل کر عِلِّیِّیْنَ کا جمع۔ اس میں یہ نکتہ پنہاں ہے کہ مجرموں کی سزا یکساں رہے گی جبکہ جنت کے نعماء روزافزوں ہیں اور ان میں ارتقاء ہے۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۰﴾

۱۰۔اس دن جھٹلانے والوں کیلئے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

۸۳:۱۰۔ وَیْلٌ: جیسا مُطَفِّفِیْنَ کے ساتھ ویل کا لفظ تھا کہ ان کا انجام اچھا نہ ہوگا یہاں مُکَذِّبِیْنَ کے ساتھ بھی وہی ویل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کسی صادق کی تکذیب بہت بڑی تَطفِیف ہے۔

الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۱۱﴾
وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۱۲﴾
إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳﴾

۱۱۔جو جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔

۱۲۔حالانکہ اسے صرف وہی شخص جھٹلا سکتا ہے جو حد سے بڑھنے والا گناہ گار ہے،

۱۳۔جسے جب ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

۸۳:۱۱۔ بِیَوْمِ الدِّیْنِ: اس میں بتایا ہے کہ تکذیب آیات اللہ اور فسق و فجور کی عادت کیونکر پیدا ہوتی ہے۔ اس کی جڑ ایک ہی امر ہے کہ انسان یوم الدین اور آخرت کا انکار کرتا ہے اور یہی وجہ گناہوں پر اس کی دلیری اور بے باکی کی ہوتی ہے۔ پھر یَوْمِ الدِّیْنِ کے انکار کے اسباب میں سے یہ بتایا ہے کہ عام رَوش میں خود سری اور سرکشی اس کا موجب بنتی ہے۔ پھر اس اعتداء کی وجوہ پر روشنی ڈالی ہے۔ قرآن مجید کی یہ عجیب بلند شان ہے اور اس کا یہ اسلوب نہایت قابل قدر اور ممتاز ہے کہ وہ ہر فعل کی علت اور مناسبت کو ساتھ ساتھ بیان کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر فعل ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے اور وہ نتیجہ دوسرے فعل کا باعث بن جاتا ہے۔

كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾
كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾
ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُو الْجَحِيمِ ﴿١٦﴾
ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿١٧﴾

۱۴۔(یہ قصہائے پارینہ) ہر گز نہیں۔اصل بات یہ ہے کہ ان کے دلوں پر ان کے بُرے اعمال نے زنگ لگادیا ہے۔

۱۵۔(جیسے یہ سمجھتے ہیں اس طرح) ہر گز نہیں اس دن (بھی) وہ اپنے رب سے محجوب ہوں گے۔

۱۶۔انہیں یقیناً دوزخ میں جھونکا جائے گا۔

۱۷۔پھر کہا جائے گا: یہ وہ (سزا) ہے جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے۔

۸۳:۱۴۔ كَلَّا بَلْ سکتہ: یہاں لفظ بل کے بعد علماء نے رموز او قاف میں سے سکتہ کا لفظ لکھا ہے۔ یہ اس لیے کہ انسان یہاں رک کر سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مَا كَانُوْا **يَكْسِبُوْنَ** فرما کر سچے مامور من اللہ کے نہ پہچاننے کی وجہ پہلی شامت اعمال قرار دی ہے وہ میرے کون سے عمل کی شامت ہے۔ دوسری جگہ قرآن شریف میں اسی بات کو یوں ادا کیا ہے: وَ اللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا (النساء،۴:۸۸)۔رکس کے معنی ہیں: مت ماری جانا کہ انسان نیک کو بد اور بد کو نیک سمجھنے لگے۔(وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا (الاعراف،۷:۱۴۶)یہی رکس ہے۔

رَانَ: کے معنی حسنؒ نے کیے ہیں گناہ پر گناہ۔ اصل بات یہ ہے کہ گناہ سے انسان کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے اور اُس کی صفائی اور جلا باقی نہیں رہتی۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لئیے اعلیٰ درجہ کا صاف و شفاف دل بکار ہے۔ گناہ کے ارتکاب سے پہلے صداء پیدا ہوتی ہے جب یہ بڑھ جاتا ہے پھر غبن، جب غبن بڑھ جائے تو اسے رَانَ کہتے ہیں۔ جب وہ بڑھ جاتا ہے تو طبع

کہلاتا ہے۔ اس سے بد تر حالت کا نام قفل ہے۔ اس سے حالت اور خراب ہو جائے تو ختم اور مہر کہلاتی ہے۔ یہ فلسفہ اخلاق کا نہایت لطیف اور وسیع مضمون ہے جس پر صرف قرآن مجید نے روشنی ڈالی ہے کہ کس طرح گناہ کے نتیجہ میں اور گناہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ علامہ ابن قیمؒ نے الجواب الکافی صفحہ ۳۹ میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ﴿۱۸﴾
وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿۱۹﴾ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ﴿۲۰﴾
يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ﴿۲۱﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿۲۲﴾

۱۸۔ (جیسے یہ سمجھتے ہیں اس طرح) ہر گز نہیں۔ نیک لوگوں (کے اعمال) کا نوشتہ بلند مدارج میں ہے۔

۱۹۔ بلند مدارج کے لوگوں (کے نامہ ءاعمال) کے متعلق تمہیں کونسی چیز آگاہ کر دے سکتی تھی۔

۲۰۔ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے،

۲۱۔ جسے (اللہ کے) مقرب لوگ موجود پائیں گے۔

۲۲۔ (اس دن) نیک لوگ یقیناً آرام وراحت میں ہوں گے۔

۸۳:۱۸۔ عِلِّيِّيْنَ: یہ سِجِّيْنٍ کے مقابل پر ہے۔ یعنی انہیں بلندی درجات عطا ہو گی۔ گویا یہ عَلا بمعنی بلندی سے مشتق ہے۔ اس کا واحد عِلِيٌّ ہے۔ عِلِّيِّيْنَ کے معنی کیے گئے ہیں شَیءٌ فَوقَ شَیءٍ وَ اِرتِفَاعٌ فَوقَ اِرتِفَاعٍ یعنی بلندیوں پر بلند ہیں اور اعلیٰ مقامات (لسان)۔ اسی لیے ابن عباسؓ نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اس سے مراد جنت ہے اور راغبؒ نے لکھا ہے کہ یہ وہاں رہنے والوں کا نام ہے۔ گویا ابرار غیر محدود ترقیات حاصل کرتے چلے جاتے ہیں اور انہیں کوئی روک نہیں ہوتی۔ غور کر کے دیکھ لو ان لوگوں کو اِنَّا

لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (غافر، ۴۰:۵۱) کی پیشگوئی کے مطابق علو حاصل ہوا یا نہیں۔ یہ علو محض جنگ ہی پر موقوف نہیں۔ الاِسلَامُ یَعلُوا وَ لَا یُعلٰی اسلام ہمیشہ بلند ہی رہے گا اور کبھی مغلوب نہیں ہوگا۔ وہ بغیر جنگ کے بھی حجت و برہان سے اور اللہ تعالیٰ کی تائیدات سے، سماوی نشانات اور دیگر فتوحات سے عالی رہتا ہے۔ فُجَّارِ کے لیے سِجِّیْنٍ کا لفظ مفرد کی شکل میں استعمال ہوا تھا لیکن یہاں ابرار کے لیے عِلِّیِّیْنَ کا لفظ جمع کی شکل میں ہے۔ کیونکہ برائی کی سزا صرف ایک ہی ہے اور نیکی کی جزا اصل سے بہت بڑھ کر ہوتی ہے اور اس میں اضافہ ہوتا ہے۔

عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ تختوں پر بیٹھے (سب کچھ) دیکھ رہے ہوں گے۔

۸۳:۲۳۔ اَلْاَرَآءِکِ: یہ اَرِیکۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں چھپر گھٹ، ایسا تخت جو اوپر سے بھی مزین اور مسقف ہو اور ارد گرد سے بھی۔ ایسا درخت جو قبہ کی طرح اپنی شاخوں اور پتوں سے خوشنما ہو وہ بھی اریکہ ہے۔

تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ تم ان کے چہروں پر آرام وراحت کی شادابی ورونق دیکھو گے۔

۸۳:۲۴۔ نَضْرَۃَ النَّعِیْمِ: نَضْرَۃَ اس تازگی، حسن اور رونق، چمک دمک کو کہتے ہیں جو انتہائے سرور اور تنعم کے باعث چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔ کھائے کے گال اور نہائے کے بال مشہور ہیں۔ آخرت کی سب سے بڑی نعمت رؤیت باری تعالیٰ ہے۔ وہاں کی نَضْرَۃَ کا باعث یہی ہوگا۔ قرآن مجید میں ہ: وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ (القیامۃ، ۷۵:۲۲۔۲۳) اللہ تعالیٰ کا ادراک نہیں ہو سکتا، رؤیت ہو سکتی ہے۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿۲۵﴾

۲۵۔انہیں سر بمہر ایک خالص مسرت بخش مشروب پلایا جائے گا۔

۸۳:۲۵۔رَحِیْقٍ: یہ وہ پینے کی چیز ہے جس کی صفت قرآن مجید میں فرمایا: لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ (الصافات،۳۷:۴۷)۔ زجاج کہتے ہیں یہ وہ پینے کی چیز ہے جس میں کوئی غِش نہیں۔یعنی اعلیٰ درجہ کی صاف، جسے مختوم کیا گیا ہے اروہ محفوظ رکھی گئی ہے (لسان)۔یعنی جیسے اُن کے اومال خالص اور محفوظ ہیں ویسے ہی جزا مسرت بخش ہے۔

مَّخْتُوْمٍ: اس کے کئی معنی ہیں: ا۔پینے کے بعد دیر تک اس کی خوشبو مسک کی آتی رہے گی؛ ۲۔ اس کا تلچھٹ ایسا ہے جیسے کستوری؛ ۳۔ سر بمہر کہ سوائے ان مدارج والوں کے دوسروں کو نہ ملے گی اور جیسے یہاں مہر کے لیے لاکھ وغیرہ ہوتی ہے وہاں وہ مہر مسک سے لگائی جائے گی۔؛ ۴۔ وہ محفوظ رکھی گئی ہے اور اس میں کوئی ملاوٹ نہیں؛ ۵۔دوسرے بھی اس سے متمتع ہوتے ہیں اور اس کی خوشبو کی لپٹیں دوسروں کو بھی پہنچتی ہیں۔

خِتَامُهُ مِسْكٌ ۚ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿۲۶﴾

۲۶۔اس کی مُہر مُشک کی ہے اور چاہئے کہ (نفوس فاضلہ کے ساتھ تشبیہہ حاصل کرنے کیلئے اسے اعلےٰ درجے کا سمجھتے ہوئے) رغبت کرنے والے اس کیلئے رغبت کریں۔

۸۳:۲۶۔خِتٰمُهٗ مِسْكٌ: مہر مسک سے لگائی جائے گی۔وہ محفوظ رکھی گئی ہے اور اس میں کوئی ملاوٹ نہیں، جیسے ان کے اعمال خالص اور محفوظ ہیں ویسے ہی جزا ہے۔

وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيمٍ ﴿۲۷﴾

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿۲۸﴾

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿۲۹﴾

وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿۳۰﴾

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿۳۱﴾

وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿۳۲﴾
وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿۳۳﴾
فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿۳۴﴾
عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿۳۵﴾
هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾

۲۷۔اور اس میں تسنیم (یعنی) اس کی چیز کی آمیزش ہے جو بلندیوں سے بہتی ہے۔

۲۸۔(وہ تسنیم) ایک چشمہ ہے جس سے (اللہ کے) مقرب پئیں گے۔

۲۹۔جن لوگوں نے (اللہ سے) قطع تعلق کر رکھا تھا وہ ان پر جو ایمان لائے ہنسا کرتے تھے۔

۳۰۔اور جب ان کے پاس سے گزرتے تھے تو (ایک دوسرے کو استہزا آلود عیب چینی کیلئے) آنکھوں اور ابروؤں سے اشارہ کرتے تھے۔

۳۱۔اور جب اپنے ساتھیوں کی طرف پلٹ کر جاتے تو اِتراتے ہوئے پلٹتے تھے۔

۳۲۔اور جب انہیں (۔مسلمانوں کو) دیکھتے تو کہتے تھے یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں۔

۳۳۔حالانکہ انہیں اُن پر محافظ بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔

۳۴۔پس آج جو ایمان لائے وہ ان کفار پر تعجب کریں گے۔

۳۵۔تختوں پر (بیٹھے ہوئے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے۔

۳۶۔کافروں کو ان کے اعمال ہی کا بدلہ ملا۔

۸۳:۲۷۔تَسْنِیْمٍ : لغوی معنی ارتفاع اور بلندی کے ہیں۔ پس اسکے معنی ہیں ایسا پانی جو بلندیوں سے اُن کے اوپر بہتا ہے (لسان)۔ اونٹ کے کوہان کو سَنَام البَعِیر کہتے ہیں۔ ہر چیز کا سنام اس کا سب سے اونچا حصہ ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کو حدیث میں ذُرْوَۃُ سَنَامِ الإِسْلَامِ فرمایا ہے (مسند احمد، حدیث معاذ بن جبل، ۲۲۷۰۱)۔ تسنیم جنت میں وہ چشمہ ہے جو وہاں کے سب چشموں سے اشرف و اعلیٰ ہے۔۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چیز انہیں بلند کرنے اور ان کی شان اور

عظمت کے بڑھانے کا موجب ہو گی۔ ایسے وقت میں جب آنحضرت ﷺ مکہ میں کفار کو یہ پیشگوئیاں سنارہے تھے کون یقین کر سکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ ایسے کامیاب اور بامراد ہو جائیں گے اور انہیں بڑے بڑے دینی اور دنیاوی درجات ملیں گے۔ چنانچہ صحابہؓ نے عجم و شام و مصر کی فتوحات حاصل کیں اور یہ پیشگوئی بڑی شان سے پوری ہوئی۔ بہتے ہوئے چشمے اور دریا اور مرغزار انہیں عطا ہوئے۔ تختوں پر بیٹھنے کی پیشگوئی تو صراحتاً لفظیوں پوری ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تخت نشینی عطا کی۔ منکرین رسالت کی ناکامی و نامرادی اور آپ کے صادق مخلصین اور متبعین کی کامیابیوں نے جن کے متعلق پیشگوئیاں کی گئی تھیں پورا ہو کر آخرت کے عذاب اور آرام جنت کے متعلق بھی تصدیق کر دی۔